مضمون

حضرت ایوبؑ اور اُن کا صحیفہ

دنیا کی قدیم ترین نظم

ابو سلمان شاہجہان پوری

قرآن مجید اور واقعہ ایوبؑ

حضرت ایوب علیہ السلام سلسلہ نبوت کی ایک برگزیدہ شخصیت گزرے ہیں۔ مجموعہ توراۃ میں متعدد مقامات پران کا تذکرہ آیا ہے اور ایک مستقل کتاب بھی ان کے نام سے موجود ہے قرآن مجید کی چار سورتوں میں ان کا ذکر آیا ہے۔ سورہ نساء اور سورۂ انعام میں انبیاء کی فہرست میں صرف ان کا نام آیا ہے۔

وعیسی وایوب ویونس وھارون وسلیمان۔ (نساء)
اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان۔

ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وھارون (انعام)
اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام)

سورہ انبیاء اور سورہ ص میں بہ تفصیل تذکرہ ہے۔

وایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر
اور ایوب (کا معاملہ بھی یاد کرو) جب انہوں نے

اس مقالہ میں "سفر ایوب" ایک لفظ بار بار آئے گا۔ "سفر" عربی کا لفظ ہے اس کے معنی نامہ، کتاب یا صحیفہ کے ہیں اور سفر ایوب سے مقصود مجموعۂ توراۃ کا ۱۵واں صحیفہ ہے جو حضرت ایوب کے نام سے منسوب ہے اور (۴۲) ابواب اور (۱۰۷۰) آیات پر مشتمل ہے۔

انت ارحم الراحمین ○ فاستجبنا
له فکشفنا مابه من ضر واتینه اهله
ومثلهم معهم رحمة من عندنا
وذکری للعبدین ○
(انبیاء: ۸۳، ۸۴)

اپنے پروردگار کو پکارا تھا، میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں"

پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گیا تھا وہ دور کر دیا ہم نے اس کا گھرانا پھر سے بسا دیا اور اس کے ساتھ ویسے ہی (عزیز و اقارب) اور بھی دیئے یہ ہماری طرف سے اس کے لئے رحمت تھی اور یہ نصیحت ہے ان کے لئے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں"

واذکر عبدنا ایوب اذ نادی ربه
انی مسنی الشیطن بنصب وعذاب ○
ارکض برجلك هذا مغتسل بارد
وشراب ○ ووهبنا له اهله ومثلهم
معهم رحمة منا وذکری لاولی
الالباب ○ وخذ بیدك ضغثا فاضرب
به ولا تحنث انا وجدنه صابرا
نعم العبد انه اواب -
(ص: ۴۱ تا ۴۴)

اور یاد کرو ہمارے بندہ ایوب (کے معاملہ) کو جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا کہ مجھ کو شیطان نے ایذا اور تکلیف کے ساتھ ہاتھ لگایا ہے (تب ہم نے اس سے کہا) اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار (اس نے ایسا ہی کیا اور چشمہ زمین سے ابل پڑا تو ہم نے کہا) یہ ہے نہانے کی جگہ ٹھنڈی اور پینے کی اور ہم نے اس کو اس کے اہل (و عیال) عطا کئے اور ان کی مانند اور زیادہ اپنی مہربانی اور یادگار بننے کے لئے عقلمندوں کے لئے۔ اور اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا لے اور اس سے مار اور اپنی قسم میں جھوٹا نہ ہو۔ بیشک ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا اور اچھا بندہ ہے۔ بے شبہ وہ (خدا کی جانب) بہت رجوع ہونے والا ہے"

اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ایک باادب، ہر حال میں صابر اور شاکر اور اللہ کی جانب بہت رجوع ہونے والی مقدس روح اور سلسلۂ نبوت کی ایک پاک شخصیت تھی جو دولت و

ثروت اور اہل و عیال کے لحاظ سے بھی خوش بخت و فیروز مند تھی۔ پھر یکایک وہ مقدس شخصیت امتحان و آزمائش میں آگئی اور مال و متاع، اہل و عیال اور جسم و جان سب کو مصیبت نے آگھیرا اور جو کچھ حاصل تھا وہ سب جاتا رہا۔ لیکن اس نے نہ شکوہ کیا نہ حرف شکایت پر زبان کھولی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے صبر و شکر کی یہ ادا اور ندائے انت ارحم الراحمین پسند آگئی اور تمام تکالیف کا خاتمہ ہوگیا اور جو کچھ اس نے کھویا تھا نہ صرف اتنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اللہ نے اپنی رحمت سے اسے عنایت فرمایا۔

ان آیات میں حضرت ایوب کے واقعہ کو اگرچہ بہت مختصر اور سادہ طرز میں بیان کیا گیا ہے لیکن بلاغت و معانی کے لحاظ سے واقعات کے جس قدر بھی صحیح اور اہم اجزا تھے ان کو ایسے اعجاز کے ساتھ ادا کیا گیا ہے کہ سفر ایوب کے ضخیم اور طویل صحیفہ میں بھی وہ بات نظر نہیں آتی۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں۔

> "قرآن نے صبر و شکر کی یہ پوری داستان یہاں صرف چند جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا اعجاز بلاغت اتنا ہی موثر ہے جتنا صحیفہ ایوب کے پچاس صفحوں کا شاعرانہ اطناب"[1]

بہرحال اس سے زیادہ کوئی تفصیل قرآن مجید میں نہیں ہے اور تفاسیر میں جو اس قصہ کی تفاصیل پائی جاتی ہیں ان کی اصل و حقیقت کے بارے میں حضرت سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

> مفسرین نے جو تفصیل نقل کی ہے وہ وہب منبہ اور دیگر اسرائیلی مسلمانوں سے جو قرون اولیٰ میں موجود تھے، منقول ہے اور یہ اسرائیلی روایت تھوڑے تغیر اور اضافہ کے ساتھ تر سفر ایوب سے ماخوذ ہے"[2]

توراۃ کا "یوباب" اور قرآن کا "ایوب"

توراۃ میں دو شخصیتوں کے نام یوباب آئے ہیں۔ ایک نوح علیہ السلام کی چھٹی پشت

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم ص۴۹۲

[2] تاریخ ارض القرآن جلد دوم ص۳۶

ہیں ہے۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔

"یوباب بن یقطان بن عبر بن سلح بن ارفکسد بن سام بن نوح" [1]

دوسرا یوباب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پانچویں پشت میں ہے ان کا شجرہ نسب یہ ہے

یوباب بن زارح (پیدائش باب ۳۶ آیت ۳۳ و تواریخ اول باب اول آیت ۴۴)

زارح بن زعوایل بن عیسو (پیدائش باب ۳۶ و تواریخ اول باب اول آیت ۳۷)

عیسو بن اسحٰق بن ابراہیم (پیدائش باب ۲۵ و تواریخ اول باب اول آیت ۳۴)

عیسو اور اسحٰق (بن یعقوب) توام بھائی تھے۔[2] ادوم عیسو کا لقب تھا[3]

اگرچہ قدیم و جدید، مسلم و غیر مسلم دونوں تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ یوباب اور ایوب ایک ہی نام ہے اور یہ اختلاف محض تغیر لہجہ کا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن فرماتے ہیں۔

> توراۃ اور کتب تاریخ میں ایک نام یوباب آتا ہے اور محققین کا خیال اس کے متعلق یہ ہے کہ ایوب اور یوباب ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ دراصل عبرانی میں یوباب کو ادب کہا گیا ہے اور یہی ادب عربی میں ایوب ہو گیا۔[4]

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی شخصیت "ایوب" سے مقصود کون سا "یوباب" ہے؟ یوباب بن یقطان "ارامی" یا یوباب بن زارح "ادومی"؟ مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمٰن اس طرف گئے ہیں کہ قرآنی ایوب سے مقصود "یوباب بن زارح" ادومی" ہے اور مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے میں شخصیت پہلی ہے۔ یعنی یوباب بن یقطان "ارامی" مولانا حفظ الرحمٰن نے حضرت ایوب کے عہد کے بارے میں محققین اور مورخین کی تمام آرا نقل کر دی ہیں۔ ان میں سے بعض

---

[1] پیدائش باب ۱۰ و تواریخ اول باب ۱

[2] پیدائش باب ۲۵ آیت ۲۴

[3] پیدائش باب ۲۵ آیت ۳۱ - باب ۳۶ آیت ۱

[4] قصص القرآن جلد دوم ص۱۶۲ و تاریخ ارض القرآن جلد دوم ص۔۔

آرا سے سید صاحب کی رائے کی تائید ہوتی ہے تو بعض سے مولانا آزاد کی رائے کی تائید ہوتی ہے مثلاً ابن عساکر کا رجحان مولانا آزاد کی رائے کو تقویت دیتا ہے تو یعقوبی کا قول سیّد صاحب کی رائے کی بنیاد ہے۔

سفر ایوب میں حضرت ایوب کے وطن کے بارے میں ہے۔

"عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا" (باب ا آیت ا)

یہ آیت حضرت ایوب کی شخصیت کا فیصلہ کر دینے کے لئے کافی ہو سکتی تھی اگر "عوض" کی شخصیت کے بارے میں فیصلہ کر لیا جائے لیکن اس بارے میں بھی اتفاق نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس سے عوض بن ارام بن سام بن نوح[۱] مراد لیا ہے یعنی سام بن نوح کا پوتا۔ یہ اعتبار مولانا آزاد کی اس رائے کو تقویت پہنچاتا ہے کہ ایوب سے مقصود وہ یوباب ہے جو سام بن نوح کی پانچویں پشت میں ہے۔ سید صاحب کے نزدیک "عوض" سے مراد عوض بن عیسو (ادوم) بن اسحٰق یعنی یوباب (بن زارح) کا دادا ہے۔ یہ اختیار حضرت سید صاحب کی اس رائے کو تقویت دیتا ہے کہ ایوب سے مقصود یوباب بن زارح ہے۔ سید صاحب نے یوباب بن زارح کا جو شجرہ نسب تیار کیا ہے اس میں زارح کو عوض کا بیٹا بتاتے ہیں اور زارح اور عیسو کے درمیان ایک پشت کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ یعنی ان کا تیار کردہ شجرہ یہ ہے۔

"یوباب بن زارح بن عوض بن دیشان بن عیسو بن اسحٰق"

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اس شجرہ سے اختلاف کیا ہے۔ دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ ہم نے یوباب بن زارح کا جو شجرہ کتاب پیدائش اور تواریخ اول سے تیار کیا ہے اس میں زارح کے باپ کا نام زعوایل نمایاں ہوتا ہے اب اگر زعوایل اور عوض کو ایک شخصیت مان لیا جائے تو مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کے مرتبہ شجرہ میں اور ہمارے منقولہ شجرہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

مقصود اس بحث سے یہ تھا کہ عوض کے بارے میں سید صاحب کی رائے مسلمہ نہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ اس صورت میں اعتماد و یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں جا سکتی۔ لیکن مولانا آزاد نے عوض سے مراد جو شخصیت لی ہے اس کے شجرہ میں کوئی اختلاف ہے نہ کوئی پیچیدگی۔ اس لئے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ سید صاحب کی رائے کے مقابلہ میں مولانا آزاد کی رائے زیادہ وقیع ہے

[۱] - اگلے صفحے پر

ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے کہ ایوب سے مقصود یوباب بن یقطان ہے جس کا وطن عوض کی سرزمین تھا اور عوض سے مقصود عوض ارام ہے نہ کہ عوض بن عیسو!

حضرت ایوب کا عہد اور وطن

حضرت ایوب کے وطن کے بارے میں سفر ایوب میں تاریخی حیثیت کی دو باتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ عوض کی سرزمین کے باشندے تھے۔

"عوض کی سرزمین میں ایوب نامی ایک شخص تھا اور وہ شخص کامل اور صادق تھا، اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا"[۲]

دوسرے یہ کہ ان کے مویشی اور چوپایوں پر سبا والوں نے اور بابل کے لوگوں نے حملہ کرکے لوٹ لیا تھا۔ اور ایک دن جب اس کے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر میں کھانا کھا رہے تھے اور مے نوشی کر رہے تھے تو ایک قاصد نے ایوب کے پاس آکر کہا کہ بیل ہل میں جتے تھے اور گدھے ان کے پاس چر رہے تھے کہ سبا کے لوگ ان پر لوٹ پڑے اور انہیں لے گئے اور نوکروں کو تہ تیغ کیا اور فقط میں ہی اکیلا بچ نکلا کہ تجھے خبر دوں۔ وہ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک اور بھی آکر کہنے لگا کہ خدا کی آگ آسمان سے نازل ہوئی اور بھیڑوں اور نوکروں کو جلاکر بھسم کر دیا اور فقط میں ہی اکیلا بچ نکلا کہ تجھے خبر دوں وہ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ ایک اور بھی آکر کہنے لگا کہ کسدی تین غول ہوکر اونٹوں پر آگرے اور انہیں لے گئے اور نوکروں کو تہ تیغ کیا اور فقط میں ہی اکیلا بچ نکلا کہ تجھے خبر دوں[۳]

مذکورہ بالا آیات سے محققین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت ایوب سبا اور بابلیوں کے زمانہ عروج کے معاصر تھے۔ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں۔

" زمانہ کے متعلق بھی فیصلہ اس لئے آسان ہے کہ کلدان (یعنی کسدیوں) اور سبا کا اس

---

[۱] پیدائش باب ۱۰ و تواریخ اوّل باب اوّل

[۲] باب اوّل آیت ۱

[۳] باب ۱ آیت ۱۳ تا ۱۷

میں نوکر معاصرت ہے۔ سبا کا عروج سنہ ۱۰۰۰ ق م میں ہوا اور کلدانیہ کا اختتام سنہ ۶۰۰ ق م میں، ان دونوں کا مشترک عہد سنہ ۱۰۰۰ ق م سے سنہ ۶۰۰ ق م تک ہے اس لئے ان دونوں زمانوں کے حدود میں کہیں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہیئے"[۱]

مولانا حفظ الرحمن فرماتے ہیں۔

سفر ایوب میں تاریخی حیثیت ایوب (علیہ السلام) کے متعلق دو باتیں بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ وہ سرزمین عوض کے باشندے تھے، دوسرے یہ کہ ان کے مویشی اور چوپایوں پر سبا اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کرکے لوٹ لیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں قوموں کے زمانہ عروج کے معاصر تھے[۲]

اگرچہ دونوں بزرگوں نے عہد کے بارے میں سفر ایوب کی مذکورہ بالا آیات ہی سے استشہاد کیا ہے اور یوباب کی شخصیت کے بارے میں بھی دونوں ہم رائے ہیں لیکن سنین کے تعین میں دونوں میں بڑا اختلاف ہے مولانا حفظ الرحمن فرماتے ہیں۔

البتہ زمانہ کے متعلق سید صاحب کی تحقیق صحیح نہیں اور ان کا یہ فرمانا کہ ایوب علیہ السلام کا عہد سنہ ۱۰۰۰ ق م سے سنہ ۶۰۰ ق م تک کے درمیان ہے، غیر تحقیقی ہے۔ صحیح اور تحقیقی بات یہ ہے کہ ایوب (علیہ السلام) کا زمانہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت اسحٰق اور یعقوب (علیہما السلام) کے زمانہ کے درمیان ہے اور یہ تقریباً سنہ ۱۵۰۰ ق م اور سنہ ۱۳۰۰ ق م کے حدود میں تلاش کرنا چاہیئے[۳]

اگرچہ مولانا حفظ الرحمن نے "یوباب" کی شخصیت کے بارے میں اور عوض کی نسبت مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے سے اختلاف کیا اور سید سلیمان ندوی کے ہم خیال ہیں لیکن عہد کے تعین میں وہ مولانا آزاد کی رائے سے بہت قریب آگئے ہیں۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں:-

---

۱۔ تاریخ ارض القرآن جلد دوم ص ۳۶

۲۔ قصص القرآن جلد دوم ص ۱۷۶

۳۔ ایضاً ص ۱۸۰

"حضرت ایوب کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے تھا..... انہیں حضرت ابراہیم کا معاصر ہونا چاہیئے یا کم کم حضرت اسحق اور یعقوب کا" [1]

حضرت ایوب (علیہ السلام) کے عہد کے بارے میں قطعی تعیین کے لئے اس طرح فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ بات نہ صرف سید صاحب، مولانا آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن (مرحومین و مغفورین) کے نزدیک بلکہ تمام محققین توراۃ اور مورخین کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت ایوب کا عہد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے قبل ہے اور یہ بات جدید اثری تحقیقات اور حجری کتبات کی روشنی میں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون ریمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح ہے جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ق م سے شروع ہوکر ۱۲۲۵ ق م پر ختم ہوتا ہے۔" اس کو حضرت موسیٰ اور ہارون نے اسلام کی دعوت دی تھی اور بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔ البتہ جس فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰ کو دریا سے نکلوایا اور پالا تھا اور جس کے زمانہ میں حضرت موسیٰ نے مصر کو چھوڑا تھا وہ ریمسیس ثانی تھا۔ یہ فرعون اپنی زندگی ہی میں بوجہ کبر سنی اپنے بیٹے منفتاح کے حق میں تاج و تخت سے دست بردار ہوگیا تھا۔[2]

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت ایوب کا زمانہ ۱۳۰۰ ق م سے پہلے تھا۔ اس سلسلے میں مولانا ابوالکلام آزاد ہی کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ انہیں حضرت ابراہیم کا معاصر ہونا چاہیئے یا کم از کم حضرت اسحق اور یعقوب کا۔ مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم کی رائے بھی قرین قیاس ہے کہ ان کے نزدیک بھی حضرت ایوب کا عہد حضرت موسیٰ سے بہر حال پہلے ہے۔ البتہ حضرت سید صاحب کی یہ رائے کہ ۱۰۰۰ ق م سے ۷۰۰ ق م کے زمانوں کے حدود میں حضرت ایوب کا عہد قرار دینا چاہیئے۔ یہ زمانہ چونکہ حضرت موسیٰ کے بھی کئی سو برس بعد کا ہے۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم ص۴۸۷

[2] یہ رائے مصری دارالآثار کے مصور اور اثری اور حجری تحقیق کے بہت بڑے عالم احمد یوسف احمد آفندی کے ایک مقالہ سے ماخوذ ہے۔ نجار نے قصص الانبیاء میں اس مقالہ کا خلاصہ نقل کیا ہے۔ اور مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے قصص القرآن جلد اول (ص۳۲۹ تا ص۳۳۳) میں اس کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

اس لئے حقیقت سے بہت دور اور تاریخی مسلمات کے خلاف ہے۔

حضرت ایوب کا وطن سرزمین عرب کا وہ حصہ بیان کیا گیا ہے جو شام و فلسطین کے جنوب مغرب میں عرب کی آخری حد ہے اور جس جگہ کوہ ساعیر کا سلسلہ طول میں شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے یا یوں کہہ دیجئے کہ وہ مقام جو عمان سے حضرموت تک وسیع ہے۔ سید صاحب فرماتے ہیں:-

"جب کہ ہم نے تسلیم کر لیا کہ ایوب اور یوباب ایک ہی شخص ہے تو ہم کو حضرت ایوب کے مکان و مسکن کے متعلق زیادہ کاوش کی حاجت نہیں۔ یوباب کا مسکن توراۃ میں مذکور ہے کہ وہ بصریٰ ہے جو اب تک شمال عرب میں فلسطین کے قریب معروف شہر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر شام میں وہاں قیام کیا تھا۔ وہی شہر حضرت ایوب کا بھی مسکن ہوگا بصریٰ قدیم زمانہ میں ایک تجارتی شہر تھا۔ توراۃ میں اس کا ذکر متعدد مقامات میں ہے۔"[1]

ان کے وطن کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی بھی یہی رائے ہے لیکن انہوں نے اسکے لئے سفر ایوب کی ایک اور اندرونی شہادت بطور جغرافیائی ثبوت کے پیش کی ہے، مولانا لکھتے ہیں۔

"سفر ایوب میں ہے کہ وہ عوص کے ملک میں رہتے تھے اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا ان دونوں تصریحوں سے بھی اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ کتاب پیدائش اور تواریخ اوّل میں عوص کو ارم بن سام بن نوح کا بیٹا کہا ہے اور "ارامی" بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر تک یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی لیکن اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہے۔ پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے آکر حملہ آور ہوتے تھے ایک مزید جغرافیائی

---

[1] تاریخ ارض القرآن جلد دوم ص۳۵، ۳۶

روشنی ہے کیونکہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یقیناً
یہ عرب کا وہی مقام ہوگا جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی عمان سے
حضرموت تک کا علاقہ"[1]

سفر ایوب اور واقعہ ایوب

سفر ایوب میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عوض کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا۔ خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو بار برداری کے گدھے تھے۔ اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے اور اہل مشرق میں اس درجہ مالدار کوئی نہ تھا وہ اس دولت وشوکت کے لئے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا۔

لیکن پھر زندگی کی ساری مصیبتیں ان پر آ پڑیں، ان کے مویشی لوٹ لئے گئے، نوکر چاکر قتل ہو گئے، اولاد مر گئی جاہ وحشم نابود ہو گیا اور زندگی کی خوشحالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کر کے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو۔ یہ یک وقت لگے اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔

لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب کی زبان سے کلمہ صبر و شکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا "ایوب نے اٹھ کر اپنا پیرہن چاک کیا اور سر منڈایا۔ اور زمین پر گر کر سجدہ کیا اور کہا ننگا میں اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا اور ننگا ہی واپس جاؤں گا۔ خداوند نے دیا اور خداوند نے لے لیا۔ خداوند کا نام مبارک ہو"[2]

سب کچھ جا چکا تھا صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی۔ اب اس نے بھی جواب دے دیا حضرت ایوب کے سارے جسم میں اذیت ناک پھوڑے نکل آئے" اور وہ اپنے کو کھجلانے کے لئے ایک ٹھیکرا لے کر راکھ پر بیٹھ گیا۔ تب اس کی بیوی اس سے کہنے لگی کہ کیا تو اب بھی اپنی راستی پر قائم

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۸۶

[2] سفر ایوب باب ۱ آیت ۲۰، ۲۱

رہے گا؟ خدا کی تکفیر کر اور مر جا پر اس نے اس سے کہا کہ تو نادان عورتوں کی سی باتیں کرتی ہے۔ کیا ہم خدا کے ہاتھ سے سکھ پائیں اور دکھ نہ پائیں؟

ان سب باتوں میں ایوب نے اپنے لبوں سے خطا نہ کی"۔ [۱]

درد و مصیبت کی یہ حالت بڑھتی ہی جاتی تھی لیکن جوں جوں بڑھتی جاتی تھی، روح کا یقین، دل کا صبر اور زبان کا زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا تھا چنانچہ تمام صحیفہ انہی دل نشین مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے، ان کی ہر آہ حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔ اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر ان سے رد و کد کرتے ہیں پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے۔ اور ان کی آزمائش کا دور ختم ہو جاتا ہے۔

"یوں خداوند نے ایوب کے آخری ایام میں ابتدا کی نسبت زیادہ برکت بخشی اور اس کے پاس چودہ ہزار بھیڑ بکریاں اور چھ ہزار اونٹ اور ہزار جوڑی بیل اور ہزار گدھیاں ہوگئیں اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں بھی ہوئیں ...... اور اس کے بعد ایوب ایک سو چالیس برس جیتا رہا اور اپنے بیٹے اور پوتے چوتھی پشت تک دیکھے اور ایوب نے بڈھا ہو کر اور عمر رسیدہ ہو کر وفات پائی"۔ [۲]

سفرِ ایوبؑ کی قدامت

سفر ایوب کی قدامت کے بارے میں مولانا حفظ الرحمٰن مرحوم نے محققین توراۃ کے اس اتفاقی آرا کو نقل کیا ہے کہ "صحیفہ ایوب (علیہ السلام) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے قبل زمانہ کا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا ہے اور یہ کہ مجموعہ توراۃ میں سب سے قدیم صحیفہ سفر ایوب ہے"۔ [۳]

آگے چل کر انہوں نے محققین توراۃ کا یہ دعویٰ نقل کیا ہے۔

---

[۱] باب ۲ آیت ۸ - ۱۰

[۲] باب ۴۲ آیت ۱۲، ۱۳، ۱۶، ۱۷

[۳] قصص القرآن جلد دوم ص۱۸۰

"سفر ایوب قدیم عربی زبان کی غیر غنائی شاعری کا بے نظیر شاہکار ہے اور یہ کہ دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے"۔ ۱؎

سفر ایوب کی قدامت کے بارے میں علمائے یہود و نصاریٰ محققین توراۃ اور مورخین ماضی وحال کے درمیان میں کوئی اختلاف نہیں حتی کہ وہ علماء یہود و نصاریٰ جو ایوب علیہ السلام کو ایک فرضی شخصیت اور سفر ایوب کو فرضی صحیفہ مانتے ہیں، وہ بھی اس کی قدامت کا اعتراف کرتے ہیں۔ مولانا حفظ الرحمن نے نجار کے حوالے سے لکھا ہے کہ

> "ایوب (علیہ السلام) کے متعلق علماء یہود و نصاریٰ کے درمیان سخت اختلاف ہے ان میں سے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ فرضی نام ہے، ایوب کسی شخصیت کا نام نہیں مثلاً ابی حمانی دیر، میکائلس، سملر، استنیان اسی کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شخصیت سے متعلق جس قدر واقعات منسوب ہیں سب باطل اور فرضی ہیں، گویا ان کے نزدیک سفر ایوب اگرچہ تاریخی اعتبار سے قدیم صحیفہ ہے، مگر فرضی ہے اور کانٹ اور انبٹل وغیرہ کہتے ہیں کہ ایوب علیہ السلام ایک حقیقی شخصیت کا نام ہے اور اس سے منسوب "صحیفہ" کو فرضی اور باطل کہنا خود باطل ہے"۔ ۲؎

سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن میں مسٹر گبن کی یہ رائے اس کی کتاب ڈ کلائن اینڈ فال آف رومن امپائر کے حوالے سے نقل کی ہے۔

"اس عرب بشر (قرآن یا حضرت محمد صلعم) کے خیالات خدا کے متعلق گو اعلیٰ اور لطیف ہیں تاہم اس کا بلند سے بلند خیال سفر ایوب کی پر جلال سادگی کے مقابلے میں کم ہے جو عہد قدیم میں اس ملک اور اس زبان میں لکھی گئی"۔ ۳؎

۱؎ ایضاً ص ۱۹۲

۲؎ قصص الانبیاء للنجار ص ۴۱۵، ۴۱۶ بحوالہ قصص القرآن جلد دوم ص ۱۸۲

۳؎ جلد ۵ فصل عرب و اسلام ص ۲۴۲

حضرت سید صاحب نے قرآن کے متعلق گبن کی رائے کو بجا طور پر "غیر واقفانہ نقد" قرار دیا ہے لیکن صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سفر ایوب کی قدامت کے بارے میں وہ گبن کی رائے سے متفق ہیں۔ نیز قرآن کو اس کے مقابلے سے علیحدہ کر لیا جائے تو اس کی ادبی حیثیت سے بھی انکار نہیں فرماتے ہیں۔

"پورا صحیفہ حضرت ایوب اور ان تین مومنین صادقین کے باہم مناظرہ و مکالمہ پر مشتمل ہے۔ (جو ان کی عیادت کے لئے آئے تھے) یہ تمام مناظرہ لطیف تمثیلات میں نہایت اعلیٰ فلسفیانہ اور شاعرانہ جذبات روحانی سے پُر ہے"۔[1]

سید صاحب نے اس سے زیادہ سفر ایوب کی "قدامت"، اس کی ادبی حیثیت، اس کے شاعرانہ حسن بیان، عربی زبان و ادب کی تاریخ میں اس کا مقام وغیرہ کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ ان کی توجہ زیادہ تر ادوم کی تاریخ اور حضرت ایوب کے وطن کی تحقیق کی طرف رہی ہے حقیقتاً ان کا موضوع ہی "تاریخ ارض القرآن" تھا مولانا حفظ الرحمٰن نے اگرچہ تاریخ و ارض قرآن سے بھی تعرض کیا ہے لیکن ان کی توجہ زیادہ تر سفر ایوب اور قرآن میں قصہ کا فرق اور قرآن میں واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے تفسیری نکات کی شرح و بیان پر رہی ہے لیکن ابوالکلام آزاد چونکہ ان دونوں سے اپنے مزاج و ذوق کے اعتبار سے مختلف تھے اس لئے انہوں نے حضرت ایوب کے عہد و وطن کے متعلق تاریخی اشارات بھی کئے ہیں اور تفسیری نکات کے بیان و شرح پر توجہ دی ہے، ساتھ ہی سفر ایوب کی قدامت، اس کی شاعرانہ حیثیت اور عربی علم و ادب کی تاریخ وغیرہ کے بیان و تذکرہ میں ان کے قلم نے خوب خوب جولانیاں دکھائی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے چار باتوں کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔

اولاً محققین توراۃ میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے، عرب میں ظاہر ہوئے اور سفر ایوبؑ اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی، حضرت موسیٰ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔

سفر ایوبؑ منظوم کتاب ہے

ثانیاً سفر ایوب کا ایک ایک جملہ کہہ رہا ہے کہ میں شعر ہوں نثر نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے محققین توراۃ نے اسے بھی امثال

---

[1] ارض القرآن جلد دوم ص۳۷

اور زبور کی طرح اصلاً کتاب منظوم ہی قرار دیا ہے۔ بلاغت کلام، شعریت بیان اور بلندی اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہد عتیق کا کوئی صحیفہ امثال و زبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عربی علم ادب کی قدامت

ثالثاً معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا۔ کیونکہ اگر حضرت موسیٰ سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی تو یقیناً عبرانی علم ادب کے نشو و نما سے صدہا سال پہلے عربی علم ادب ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ بلاشبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہوگی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہوگی جس کی اخوات ہمیں ارامی، کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ و اسماء میں نظر آ رہی ہیں اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں تاہم وہ عربی زبان ہی ہوگی اور اس عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہوں گے۔

اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی عربی تھی لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پروردہ نہیں ہو سکتی۔ اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر، اتنی دقیقہ سنج، اس درجہ متمول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو۔ جو زبان قرآن کے معانی و دقائق کی متحمل ہو گئی کیونکر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے اتنا ہی نہیں بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، جس عربی میں امراء القیس نے اشعار کہے ہیں، اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ متمدن ہونی چاہیے جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے۔

جدید اثری انکشافات اور عربی کی قدامت

گذشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض محققین نے مجبور ہو کر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ زبانوں کی تخلیق اور نشو و نما کا اسے ایک فوری تحول تسلیم کر لینا چاہیے۔ لیکن اب اثری تحقیقات کے آخریں مواد نے بحث و تعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے یہ زبان جس پر زندگی

وخلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی دراصل مدنی نشوونما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں، قدیم مصری لغات کا عمرانی سرمایہ، آرامی زبان کا عروج و انحطاط، کلدانی اور سریانی کا ادبی تمول، دراصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تکمیل کے مختلف مرحلے تھے اور اس نے آگے چل کر چوتھی صدی قبل مسیح کی عربی کا بھیس اختیار کیا جو زبان حضارت و تمدن کی اتنی بھٹیوں میں سے پک کر نکلی ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اسماء و مصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسماء و مصادر نہیں ہوسکتے

تابوتِ احیرام کا انکشاف اور عربی کتبہ

آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ نو سو برس پہلے آشوری اور بابلی زبان میں طبق، ملک، شمس، سما، فلک، نجم، ارض وغیرہ الفاظ ٹھیک ٹھیک انہیں معنوں میں مستعمل تھے جن معنوں میں آج مستعمل ہیں! اتنا ہی نہیں بلکہ ۱۹۳۳ء کے ایک جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تک پیچھے ہٹا دیا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کرلی ہے۔ اور اس میں نہ صرف موجودہ اسماء و مصادر ہی پائے جاتے ہیں بلکہ بعض حروف نحویہ[1] تک موجود ہیں مثلاً حرف عطف وہی "د" ہے اور اپنی ابتدائی نیپنیقی شکل "۲" میں لکھا جا رہا ہے۔ الف لام بدستور حروف تعریف ہے اور ہر اسم سے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے مثلاً الملک الجبل "ذی" (بمعنی ذو۔ ذوالجلال وذوالقرنین) ہر جگہ نمودار ہے۔ اسم اشارہ وہی "ھو" ہے "علی" اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے۔ نیز ملک، فعل، طمع، محن، فتح، محو ٹھیک انہی معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں بولے گئے۔ ملک بمعنی بادشاہ نے تو ایسی لفظی صولت و تاثر حاصل کرلی تھی کہ ایران کی آرین زبان بھی اسے برتنے پر مجبور ہوگئی چنانچہ دارائے اعظم اپنے کتبوں میں اپنے آپ کو "شہنشاہ" کہنے کی جگہ "ملک ملکان" کہتا ہے[2] بعد کو اردشیر بابکان نے "شاہ شاہان" کا لقب اختیار کیا جسے عربوں نے "شاہان" بنا دیا تاہم ملک ملکان، کا لقب بھی شاہ پور ساسانی کے کتبوں میں بار بار آتا ہے،

---

[1] حروف نحویہ یعنی مصطلحۂ نحو، ورنہ حروف ابجد تو سب کے سب موجود ہیں۔

[2] دیکھو کتبہ استخر وبے ستون۔ ان سے مراد وہ کتبے ہیں جنہیں دارا نے پہاڑوں کی (باقی ۷۶۴ پر)

جیسا کہ حاجی آباد کے کتبوں میں سے ظاہر ہے۔

علاوہ بریں ساسانی عہد میں عربی اسماء و الفاظ کے غلبہ و رسوخ کا یہ حال ہوگیا تھا کہ خود اوستا کی زبان عربی آمیز ہوگئی۔ ساسانی اوستا کے جو اجزا ہندوستان کے پارسیوں سے ملے ہیں، ان میں جابجا عربی الفاظ و اصوات پائے جاتے ہیں۔ ایک مدت تک یہ آمیزش محل تعجب رہی حتیٰ کہ سر ولیم جونس نے ان اجزا کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا۔ مگر اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح بعد ازاں اسلام کی فارسی جدید عربی سے مخلوط ہوتی ہے اسی طرح قبل از اسلام کی قدیم فارسی قدیم عربی الفاظ سے مخلوط ہوگئی تھی۔

عربی کا یہ کتبہ ایک تابوت پر منقش ہے اور اس میں "احیرام" ملک ببلس کی نعش رکھی گئی تھی اور اس کے بیٹے "توبعل" کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ احیرام کا نام توراۃ میں بھی آیا ہے اور تاریخی حیثیت سے اس کا زمانہ بالاتفاق ۱۲۵۰ء قبل مسیح ہے۔ کتبہ کا خط وہی ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر فینیقی خط کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس نے آگے چل کر آرامی، سریانی اور نبطی خطوط کی شکلیں اختیار کی ہیں۔

یہ جنگ کے بعد کے نہایت اہم انکشافات میں سے ہے۔ اس وقت تک حروف ابجدی (یعنی غیر تصویری اور غیر سماری) منضبط کا سب سے قدیم نمونہ "حجر سینا" سمجھا جاتا ہے۔ یعنی وہ پتھر جو ۱۸۲۴ء میں جزیرہ نمائے سینا میں ملا اور جس پر "میشا" شاہ مواب نے ۹۰۰ء قبل مسیح میں اپنی ایک فتح کا حال کندہ کرایا ہے، یہ فتح اسے بنی اسرائیل کے مقابلے میں حاصل ہوئی تھی لیکن اب اس تابوت کے انکشاف نے اس سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کی کتابت مہیا کر دی ہے اور اس طرح معاملہ ۹۰۰ء ق م کی جگہ ۱۲۵۰ء ق م تک پہنچ گیا گویا دستِ انسانی کی علمی کتابت

(بقیہ حاشیہ) محکم چٹانوں پر نقش کرائے تھے۔ ان میں زیادہ اہم کتبہ بے ستون ہے جس میں دارا نے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگزشت قلم بند کی ہے۔ کتبہ استخر میں اس نے اپنے ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں۔ (ترجمان القرآن جلد دوم ص۱۴۱۵)

کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے، وہ ۱۲۵۰ء ق م کا ہے اور عربی زبان اور عربی زبان کے فینیقی رسم الخط میں ہے۔

اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لئے بحث ونظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دیئے ازاں جملہ یہ کہ معلوم ہوگیا کہ توراۃ کے نزول اور کتب خانہ بابل کی الواح سے بھی پہلے عربی زبان کے مواد و مصادر نے ایک مکتوب و مرسوم زبان کی نوعیت اختیار کرلی تھی یعنی اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں اعلانات و فرامین لکھے جاتے تھے۔ محض بول چال ہی کی زبان نہ تھی نیز یہ کہ اگر ۱۲۵۰ء قبل مسیح عربی زبان کی ایک ابتدائی شکل کا یہ حال تھا، تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جائے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ایوب نے عربی میں کوئی منظوم صحیفہ لکھا تھا اور شریعت حمورابی بھی اصلاً عربی کی کتابت ہے۔

قرآن کا عربی میں نزول

علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا اور جا بجا اس بات پر زور دینا کہ "انا انزلناہ قرآنا عربیا" (۱۲ : ۲) ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا، عربی میں نازل کیا" صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا۔ جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے۔

دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے

رابعاً اگر سفر ایوب کی یہ نوعیت تسلیم کرلی جائے تو ماننا پڑے گا کہ شعر و ادب کا سب سے قدیم نمونہ یہی ہے جو اس وقت تک ہماری معلومات میں آیا ہے۔

ہندوستان کی دو رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن بھی قدیم نظمیں ہیں لیکن ان کا زمانہ تصنیف بھی محققین عصر کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جا سکتا اور زمانہ تدوین بہ شکل کتاب تو اکثروں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنہ مسیحی کے ابتدائی قرون ہیں۔"

(تفصیل کے لئے پروفیسر ای ورشبرن کا مقالہ "رزمیہ نظموں کا عہد" مندرجہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول ص ۲۵۸ دیکھا جائے۔)

اور اگر قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب منظوم اس سے معارضہ کرسکتی ہے تو وہ صرف

ہندوستان کا رگ وید ہے۔ بشرطیکہ اسفارِ ہند کی قدامت کا وہ مذہب تسلیم کر لیا جائے جو رگ وید کو ۱۵۰۰ قبل مسیح یا اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہے۔

ویدوں کے عہد تصنیف و تدوین کی نسبت میکس مولر کا مسلک اس وقت تک ماہرین موضوع میں مقبول چلا آتا ہے اور علمی حیثیت سے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ میکس مولر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ چار عہدوں میں منقسم کر دیا ہے۔ سوتر کا زمانہ ۶۰۰ سے ۲۰۰ ق م تک، برہمن ۸۰۰ سے ۶۰۰ ق م تک، منتر اور رگوید کا آخری باب ۱۰۰۰ سے ۸۰۰ ق م تک، چھند ۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ ق م تک گویا رگوید کی سب سے قدیم نظمیں ۱۲۰۰ ق م سے زیادہ پیچھے نہیں جاتیں۔ حال میں مسٹر اے بی کیتھ پروفیسر سنسکرت ایڈنبرا یونیورسٹی نے اس موضوع پر جو مقالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے لئے لکھا ہے اس میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے وہ تمام بحث کا خاتمہ اس نتیجہ پر کرتے ہیں کہ رگ وید کے قدیم ترین تانے مثلاً "اُشا" ممکن ہے ۱۲۰۰ ق م تک پیچھے لے جائیں جا سکیں، لیکن اس سے زیادہ اسے پیچھے لے جانا موجودہ معلومات کی روشنی میں ممکن نہیں۔[1]

اس وقت تک غیر غنائی شاعری کا سب سے زیادہ قدیم نمونہ ہومر کی ایلڈ تسلیم کی گئی ہے لیکن اگر ہومر کا عہد وہی قرار دیا جائے جو ہیروڈوٹس کے بیان سے متبادر ہوتا ہے، تو زیادہ سے زیادہ ۹۰۰ قبل مسیح ہے لیکن سفر ایوب کا زمانہ اس سے بھی پہلے کا زمانہ ہونا چاہیئے۔ پس قدیم ترین نظم ہومر کی نہ ہوئی سفر ایوب کی ہوئی۔[2]

---

[1] کیمبرج ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۱۱۳

[2] ترجمان القرآن جلد دوم ص ۴۸۷ - ۴۸۹